ĪQĀN Vol. 06, No. 02, Jun-2024

eISSN: 2617-3336
pISSN: 2617-3700

جاہلی عرب کے معاشی وسائل: ایک تجزیاتی مطالعہ

The Economic Resources of the Jahili Arabs: An Analytical Study

Sajid Ali Chishti (Advocate)*[1]
Prof. Dr. Humayun Abbas[2]
[1] Mphil Scholar, Department of Islamic Studies, Government College University, Faisalabad
[2] Dean Islamic and Oriental Learning Islamic Studies, Government College University, Faisalabad
Correspondence: sajidaliadvocate3326@gmail.com

DOI: https://doi.org/10.36755/iqan.v6i2.450

ABSTRACT

The Arabs had established their name and place in Arab civilization since ancient times. They were well aware of the secret that nations that remain economically backward can never achieve progress and prosperity. They worked tirelessly and with great skill in the economic field to maintain their freedom and autonomy, which was their natural characteristic. This is evident from their economic life.We see that their commercial life not only fulfilled their economic needs, but also enabled them to establish cultural and civilizational ties with the nations of the world, which is certainly a testament to their high capabilities. They worked with courage to open up the rocky lands of Arabia and make them arable, and they used their ingenuity and craftsmanship to create countless products.An important feature of their society was that even the common man did not shy away from hard work and labor. If someone could not find anything else to do, they would take up herding as their occupation. Although some individuals, devoid of natural good sense, also adopted uncivilized methods for earning a living, the Arabs' sense of honor and pride generally prevented them from doing so.By adhering to their social values, they always ensured the stability of their economic condition and protected themselves from any external element. This was a historical achievement of an extraordinary kind.

Received:
29-07-2024
Accepted:
07-08-2024
Online:
10-08-2023

KEYWORDS

Jāhilīyah, Tijārat, Zarā`ah, Ṣanā`āt wa Ḥirfāt, Ghālāmānī, Mazdūrī, Sūd

تعارف:

معیشت انسانی زندگی کا جزو لازم ہے اور اس کے اثرات تمام شعبہ ہائے زندگی پر مرتب ہوتے ہیں۔ جیسے کہ یہ بات انسان کے فطری تقاضوں میں شامل ہے کہ اسے اپنی حفاظت و سلامتی کے لئے گھر، جسم کو ڈھانپنے کے لئے لباس اور بھوک مٹانے کے لئے خوراک کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان تمام اشیاء کا تعلق اس کی معاشی زندگی ہی سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں انسان نے اپنی سلامتی و بقا کے لئے مختلف ذرائع کو اپنا کر ان ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کو ممکن بنایا ہے۔ اس مقصد کی تگ و دو میں ہر خطے کے جغرافیائی حالات بھی مؤثر ثابت ہوئے ہیں۔ خطہ عرب کے معاشی حالات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے باشندے ان حالات کے پیشِ نظر مختلف پیشوں سے منسلک تھے۔ جیسے کہ تجارت، ذراعت، صنعت و حرفت، گلہ بانی، مزدوری، غارت گری، جنگیں اور سود وغیرہ البتہ ان میں سے تجارت و زراعت کو نمایاں حیثیت حاصل تھی۔

مبحثِ اول: تجارت

عرب کی اکثریتی آبادی تجارت سے وابستہ تھی۔ اقوام عالم میں ان کا تعارف ایک تجارت پیشہ قوم کی حیثیت سے ہی تھا۔ قریشِ مکہ اس حوالے سے ایک منفرد مقام کے حامل تھے۔ مکہ مکرمہ جو کہ بیت اللہ کی وجہ سے مقدس شہر خیال کیا جاتا تھا، مرجع خلائق تھا۔ لوگ بیت اللہ کی زیارت کرنے اور حج وعمرہ کی ادائیگی کرنے آتے تو اپنے ساتھ سامان تجارت بھی لاتے اور یہاں خرید و فروخت کیا کرتے تھے۔ یوں مکہ کو ایک بین الاقوامی تجارتی منڈی کا درجہ حاصل تھا۔[1] مکہ کے علاوہ دیگر شہروں میں بھی تجارت پیشہ افراد موجود تھے۔ علامہ بلاذری لکھتے ہیں طائف میں یہودی تاجروں کی ایک جماعت موجود تھی جو یمن اور یثرب سے نکالے گئے تھے۔[2] ان کے علاوہ وہاں کے اصل باشندے بنو ثقیف تجارتی بازاروں میں اپنی شہرت رکھتے تھے۔[3] اسی طرح یثرب جو کہ مکہ سے شام جانے والی شاہراہ پر واقع تھا ایک بڑے تجارتی مرکز کی حیثیت

---

[1] جواد علی، الدکتور، **المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام** (بیروت: دار العلم للملایین، ۱۹۷۶ء)، ۷: ۲۸۷۔

[1] عرب جاہلیہ کے ذرائع آمدن سے متعلق تفصیلی مباحث کے لئے راقم کے ایم فل کے مقالہ **"چھٹی صدی عیسوی کی سماجیات: احادیث کی روشنی میں"**، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد، ۲۰۲۳ء۔ کی طرف رجوع کریں۔

[2] بلاذری، ابو العباس احمد بن یحیٰ بن جابر، **فتوح البلدان** (بیروت: مؤسسۃ المعارف، س۔ن)، ۷۵۔

[3] بغدادی، علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم صوفی، **تفسیر الخازن**، مترجم؛ مولانا محمد اسماعیل قادری نورانی (لاہور: فرید بک سٹال، ۲۰۰۶ء)، ۱: ۶۹۷۔

رکھتا تھا۔ اس محل وقوع کی بنا پر یہودِ یثرب نے ایک بازار قائم کر رکھا تھا جو "بنو قینقاع" کے نام سے معروف تھا۔ یہ بازار عہدِ رسالت ﷺ تک باقی رہا۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے یہود کے استحصال سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے اس کے مقابلے میں ایک نیا بازار قائم کیا جہاں مسلمانوں کے علاوہ دیگر لوگوں کو بھی کھلے عام تجارت کرنے کی اجازت تھی۔[4]

قریشِ مکہ بیت اللہ کے متولی ہونے کے ناطے دیگر انتظامی و سیاسی امور کے ساتھ ساتھ عرب تجارت پر بھی غالب تھے۔ انہوں نے نہ صرف مقامی تجارت کو ترقی دی بلکہ آفاقی و بین الاقوامی تجارت کی راہیں بھی ہموار کیں۔ یعقوبی اور دوسرے مؤرخین و اہلِ سیر لکھتے ہیں اہل مکہ مصیبت زدہ تھے اور ان کا تجارتی کاروبار محض مکہ تک ہی محدود تھا۔ ایک سال قحط کے سبب مکی تجارت مزید ابتر ہوگئی تو ہاشم بن عبد مناف نے شام کا سفر کیا۔ وہاں انہوں نے اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر قیصر و نجاشی سے قریشی تجارتی کارواں کے بے روک ٹوک آنے جانے کی اجازت حاصل کر لی اور یوں عربوں کی عالمی تجارت کا آغاز ہوا۔[5] مصادرِ تاریخ میں ذکر ہوا ہے کہ ہاشم بن عبد مناف ہی تھا جس نے مکہ میں "رحلتان" یعنی تجارتی اسفار کی طرح ڈالی۔ سردیوں میں تجارتی قافلہ بلادِ شام کی طرف جاتا جبکہ گرمیوں میں یہ قافلہ یمن اور حبشہ کی طرف جاتا تھا۔[6] قران مجید نے قریش کی اسی تجارت کو "سورہ قریش" میں بیان کیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ(١)اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّيْفِ(٢)فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ(٣)الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ﳔ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ(٤)"[7]

(اس لیے کہ قریش کو مَیل دلایا ان کے جاڑے اور گرمی دونوں کے کوچ میں میل دلایا تو انہیں چاہیے اس گھر کے رب کی بندگی کریں جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا اور انہیں ایک بڑے خوف سے امان بخشا۔)

---

[4] محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری**، کتاب البیوع، باب ماذکر فی الاسواق، رقم الحدیث: ۲۱۲۲۔ / ابن شبہ، ابو زید عمر النمیری البصری، **تاریخ المدینہ المنورۃ** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۶ء)، ۱:۱۸۳۔

[5] یعقوبی، احمد بن اسحاق بن جعفر بن وہب ابن واضح، **تاریخ الیعقوبی** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۲ء)، ۱:۲۰۹-۲۰۷۔ / ابنِ سعد، محمد بن سعد بن منیع الہاشمی البصری، **الطبقات الکبریٰ** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۱۲ء)، ۱:۷۵۔ / ابنِ حبیب، ابو جعفر محمد البغدادی، **کتاب المحبر** (لاہور: دار النشر الکتب الاسلامیہ، س۔ن)، ۱۶۲۔

[6] ابنِ ہشام، ابو محمد عبد الملک الحمیری، **السیرۃ النبویۃ ﷺ** (بیروت: دار الکتاب العربی، ۲۰۱۳ء)، ۱:۵۷۔ / بلاذری، امام احمد بن یحیی بن جابر، **کتاب جمل من انساب الاشراف**، محقق؛ڈاکٹر حمید اللہ (بیروت: دار الفکر، ۱۹۹۶ء)، ۱:۵۹۔ / ابنِ حبیب، **کتاب المحبر**، ۱۶۲۔

[7] سورۃ قریش، ۱۰۶۔

قریشی مردوں کے علاوہ قریشی عورتیں بھی تجارت میں پیش پیش تھیں۔ سیدہ خدیجہ مضاربت پر مال دیتی تھیں اور ان کے قافلے شام وبُصریٰ تک جاتے تھے۔ قبل از بعثت رسول اللہ ﷺ ان کا مال لے کر شام گئے واپسی پر آپ ﷺ کی صداقت وامانت اور اخلاق کریمہ سے متاثر ہو کر انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے ازدواجی رشتہ قائم کر لیا۔[8] ان کے علاوہ ابوجہل کی ماں حنظلہ، حضرت اسماء بنت مخزمہ، ربیع بنت مسعود، حضرت خولہ بنت توقیت اور سائب بن اقرع ثقفی کی والدہ مکیلہ کا عطر کا کاروبار تھا۔ یہ تمام خواتین دوسرے ملکوں سے عطر منگوا کر مقامی سطح پر تجارت کیا کرتی تھیں۔[9] اسی طرح ہند بنت عقبہ زوجہ ابوسفیان کا وسیع تجارتی کاروبار تھا۔ وہ شام میں قبیلہ بنو کلب کو سامان فراہم کرتی تھیں۔ ان کا کاروبار خلفائے راشدین کے زمانے تک قائم رہا۔ ایک مرتبہ انہوں نے حضرت عمر سے تجارت کی غرض سے پانچ ہزار درہم قرض لیا اور اس سے خرید و فروخت کا عمل کیا۔[10]

ان تمام روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اہل عرب کی معاشی زندگی میں تجارت ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی تھی۔ تاجر پیشہ حضرات صرف مقامی سطح پر تجارت کرنے کو ترجیح نہ دیتے بلکہ معاشی ترقی کے غرض سے شام، یمن، حبشہ، عراق، ہندوستان اور دیگر کئی علاقوں کے سفر بھی کرتے تھے۔ اس سے ان کی بین الاقوامی تعلقات بھی مضبوط ہوتے اور تجارت میں بھی خوب نفع کماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تجارت کو عرب معیشت میں بنیادی حیثیت حاصل تھی۔

مبحثِ دوم: زراعت

زراعت عربوں کا دوسرا اہم ترین ذریعہ معاش تھا۔ خطے کے کئی مقامات زمین کی زرخیزی، معتدل آب وہوا، اور وافر پانی کی وجہ سے مشہور تھے۔ ان علاقوں کے اکثر وبیشتر افراد زراعت ہی سے وابستہ تھے البتہ قریش کاشتکاروں اور دستکاروں کو حقیر سمجھتے تھے۔ ان کے ہاں تجارت ہی عزت ووقار کا پیشہ تصور کیا جاتا تھا۔ ابن ہشام اس حوالے سے لکھتے ہیں غزوہ بدر کے موقع پر جب اسلامی لشکر کی جانب سے تین انصاری نوجوان معاذ، معوذ اور عوف میدان جنگ میں مقابلے کے لئے نکلے تو قریش نے کہا:

"اخرج الینا أکفاءنا من قومنا"[11]

---

[8] ابنِ ہشام، **السیرۃ النبویۃ** ﷺ، ۱:۱۲۶۔

[9] ابنِ سعد، **الطبقات الکبریٰ**، ۸:۲۲۰۔ / ابنِ اثیر، عزالدین علی بن محمد الشیبانی، **اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ** (بیروت: دارالاحیاء التراث العربی، س ن)، ۵:۵۶۲۔

[10] ابنِ سعد، **الطبقات الکبریٰ**، ۸:۱۸۷۔

[11] ابنِ ہشام، **السیرۃ النبویۃ** ﷺ، ۱:۶۲۵۔

(یعنی اے محمد! ہمارے مقابلے میں ہماری قوم کے اور ہمارے درجے کے لوگ بھیجیے۔)

یثرب کو "کسانوں کی بستی" کہا جاتا تھا۔ وہاں کے باشندے قدیم دور سے کاشت کاری اور کھیتی باڑی سے وابستہ تھے۔ مکی عہد کے آخری ادوار میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: مجھے تمہاری ہجرت کا مقام دکھلایا گیا ہے۔ میں نے ایک کھاری نمکین زمین دیکھی ہے جہاں کھجور کے باغات ہیں اور وہ دو پتھریلے میدانوں کے درمیان میں ہے۔[۱۲] رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت بھی کاشتکاری ان کا محبوب ترین پیشہ تھا۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں انصارِ مدینہ کھیتوں میں اس قدر مشغول رہتے کہ یہ چیز انہیں تحصیل علم میں بھی روکے رکھتی تھی۔[۱۳] اسی طرح خیبر کی سرزمین بھی کاشتکاری میں شہرت رکھتی تھی۔ ۷ ہجری میں جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر فتح کیا تو وہاں کے یہود نے عرض کی! یارسول اللہ ﷺ ہمارا گزر بسر تو ان زمینوں کی کاشت سے ہوتا ہے اور ہم اس کی کاشتکاری سے بھی واقف ہیں۔ آپ ﷺ ہمیں اس میں ٹھہرنے کی اجازت فرمادیں۔ اس پر آپ ﷺ اور ان کے ساتھ پیداوار کے آدھے حصے پر معاملہ فرما کر انہیں وہاں ٹھہرنے کی اجازت عطا فرما دی۔[۱۴] رسول کریم ﷺ اس زمین کی پیداوار سے اپنی ازواج کو سو وسق دیتے تھے۔ جن میں ۸۰ وسق کھجوریں اور ۲۰ وسق جو ہوتے تھے۔[۱۵] ان کے علاوہ سرزمینِ عرب میں، طائف، یمن، اَیلہ، فدک، وادی القری، تیما اور دومۃ الجندل کے علاقے زمین کی زرخیزی کی وجہ سے مشہور تھے۔ ان علاقوں میں کھجور، گندم، جو، کیلا، انار، خوخ (شفتالو) انجیر، خشک انگور اور غلہ و میوہ جات کی دیگر کئی اقسام ہوتیں تھیں۔

مبحثِ سوم: صنعت و حرفت

صنعت و حرفت تمدنی زندگی کا لازمی حصہ ہے۔ انسان نے ہمیشہ مختلف کاوشوں اور مہارتوں سے اپنی ضروریات کو پورا کیا ہے۔ جنہیں بعد ازاں صنعت و حرفت کا نام دیا گیا۔ یہ کہنا عبث ہے کہ فلاں معاشرے میں صنعت و حرفت کا وجود نہ تھا حالانکہ کسی معاشرے میں ان کا پایا جانا اور بات ہے جبکہ وہاں کے باشندوں کا اس عمل کو پسند کرنا نہ کرنا اور بات ہے۔ اہلِ عرب کا معاملہ یہ تھا کہ وہاں کی متمدن زندگی میں تمام بنیادی قسم کے پیشے موجود تھے۔ البتہ شرفائے عرب ان سے متعلق ناپسندیدگی کا اظہار کرتے تھے اور اس کے مقابلے میں تجارت کو زیادہ اچھا سمجھا جاتا

---

[۱۲] محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری**، کتاب الکفالۃ، باب جوار ابی بکر فی عہد النبی ﷺ و عقدہ، رقم الحدیث: ۲۲۹۷۔

[۱۳] محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری**، کتاب الحرث والمزرعہ، باب ماجآء فی الغرس، رقم الحدیث: ۲۳۵۰۔ / محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری**، کتاب العلم، باب حفظ العلم، رقم الحدیث: ۱۱۸۔

[۱۴] محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری**، کتاب الحرث والمزارعۃ، باب المزارعۃ بالشطر، رقم الحدیث: ۲۳۲۸۔ / محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری**، باب اذا لم یشترط السنین فی المزارعۃ، رقم الحدیث: ۲۳۳۱،۲۳۲۹۔ / حموی، امام شہاب الدین ابوعبداللہ یاقوت بن عبداللہ، **معجم البلدان** (بیروت: داراحیاء التراث العربی، س۔ن)، ۲:۲۵۳۔

[۱۵] محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری**، کتاب الحرث والمزارعۃ، باب المزارعۃ بالشطر، رقم الحدیث: ۲۳۲۸۔

تھا۔ لہٰذا ان کاموں کو زیادہ تر موالی اور دوسرے مذاہب کے لوگ جیسے یہود وغیرہ ہی سر انجام دیا کرتے تھے۔[16] باوجود اس کے عرب میں مختلف صنعتیں معروف تھیں جن کا ان کی سماجی زندگی میں اہم کردار تھا۔ جیسے کہ عرب میں "دباغة" کی صنعت عام تھی۔ بالخصوص مکہ، طائف اور یمن اس کام میں اپنی شہرت رکھتے تھے۔ مکہ میں حج اور عمرے کے دنوں میں قربانی کی وجہ سے کھالوں کی کثرت ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ عرب مویشی بھی پالتے تھے جن سے حاصل شدہ کھالوں کی وہ دباغت کرتے تھے۔ قریشِ مکہ جب کہیں سفیر بن کر جاتے تو وہاں کے بادشاہوں کو چمڑے کی بنی مصنوعات تحفے میں پیش کیا کرتے تھے۔ ابن ہشام لکھتے ہیں پہلی ہجرتِ حبشہ کے وقت عمرو ابن العاص جب مہاجرین مکہ کے سلسلے میں نجاشی سے ملنے حبشہ گئے تو اسے چمڑے کے بنے قالین تحفے میں پیش کیے۔[17] عرب میں کئی افراد لکڑی کی صنعت (نجارة) سے وابستہ تھے۔ بالخصوص اہل مدینہ اس کام میں مہارت رکھتے تھے۔ "حرفة النجارة" یعنی لکڑی کا کام سماجی زندگی میں نہایت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اس میں بدوی اور حضری ہر ایک کے لیے برابر نفع تھا۔[18] روایت میں آتا ہے ایک انصاری عورت کے پاس ایک بڑھئی غلام تھا جو اس کے لئے کام کرتا تھا۔ اس نے اپنے غلام سے رسول اللہ ﷺ کے لئے منبر تیار کروایا تھا۔[19] احادیث میں لکڑی کی دیگر مصنوعات کا ذکر ملتا ہے۔ حضرت امِ سلمہ کے پاس لکڑی کا ایک پیالہ تھا جس میں آپ ﷺ کو وہ مختلف مشروب پلایا کرتی تھیں۔[20] احادیث میں ان کے بعض برتنوں کے نام ذکر ہوئے ہیں جو ان کے زیر استعمال رہتے تھے۔ جیسے کہ لقیر، مقیر، حنتم اور الدباء وغیرہ[21] احادیث میں عود کی لکڑی سے بنے آلے "وند" کا ذکر بھی ملتا ہے جو چھری چاقو کی طرح ہوتا اور اس سے عام طور پر جانوروں کو ذبح کیا جاتا تھا۔[22]

مدینہ میں لکڑی کی ایک اور صنعت " الخواصة" کے نام سے مشہور تھی۔ اس کام سے وابستہ افراد کو "خواص" کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ

---

[16] العمری، عبد العزیز بن ابراھیم، **الحرف والصناعات فی الحجاز فی عصر الرسول ﷺ** (الریاض: دار اشبیلیا، ۲۰۰۰ء)، ۵۳-۵۲۔

[17] ابنِ ہشام، **السیرة النبویة ﷺ**، ۱: ۳۳۴۔

[18] اکرمی، حافظ عجاج، **الادارة فی عصر الرسول ﷺ** (القاہرة: دار السلام، ۲۰۰۷ء)، ۱۷۵۔

[19] محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری**، کتاب البیوع، باب النجارة، رقم الحدیث: ۲۰۹۵۔ / ابو داؤد سلیمان بن اشعث، **سنن ابی داؤد**، کتاب الصلاة، باب تفریع ابواب الجمعة، باب فی اتخاذ المنبر، رقم الحدیث: ۱۰۸۰۔

[20] ابو عبد الرحمن احمد بن علی النسائی، **سنن النسائی**، کتاب الاشربة، باب ذکر الاشربة المیاہ، رقم الحدیث: ۵۷۵۶۔

[21] ابو داؤد سلیمان بن اشعث، **سنن ابی داؤد**، کتاب الاشربہ، باب فی الاوعیة، رقم الحدیث: ۳۶۹۲۔

[22] محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری**، کتاب الضحایا، باب اباحة الزبح بالعود، رقم الحدیث: ۴۴۰۷۔

مدینہ میں کھجور کے پتوں سے مختلف اشیاء بناتے تھے۔ حضرت سلمان فارسی بھی اسی پیشے سے وابستہ تھے۔[۲۳] ان کے علاوہ اسلحہ سازی، الدبابۃ، حدادۃ ، خیاطۃ و نساجۃ، صیاغۃ اور دوسری کئی صنعتیں معروف تھیں۔[۲۴]

مبحثِ چہارم: گلہ بانی

گلہ بانی کا پیشہ عرب میں معروف تھا۔ خصوصا بدوی عربوں کی معاشی زندگی کا انحصار گلہ بانی پر ہی تھا۔ ان کے ہاں مویشی پالنے کا رواج قدیم دور سے چلا آرہا تھا۔ عجب حکمت رہی ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام بھی اس پیشے سے وابستہ رہے ہیں۔ حضرت ابوہریرۃ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ما بعث اللہ نبیا الا رعي الغنم"[۲۵]

(کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔)

صحابہ نے دریافت کیا! یارسول اللہ ﷺ کیا آپ ﷺ نے بھی بکریاں چرائیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں میں نے بھی اہل مکہ کی بکریاں قراریط پر چرائی تھیں۔[۲۶] اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ گلہ بانی انبیاءؑ کا مقدس پیشہ رہا ہے۔ خود اہلِ عرب کی جغرافیائی اور اقتصادی ضروریات و اہمیت کے پیشِ نظر یہ پیشہ ان کے مناسب الحال تھا۔ بالخصوص اہلِ مدر یعنی بدوی عرب کسی ایک جگہ نہیں ٹھہرتے تھے بلکہ ان کی زندگی صحرانوردی میں ہی گزرتی، ان کی خوراک دودھ، دہی اور گوشت ہی ہوا کرتی تھی۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ مویشی پالنا ہی ان کا اصل ذریعہ معاش تھا۔ ان کے علاوہ حضری عربوں نے بھی بڑے بڑے ریوڑ پال رکھے تھے۔ اس حوالے سے عمری لکھتے ہیں اہل المدن یعنی مکہ، طائف اور یثرب وغیرہ میں جانوروں کے بڑے ریوڑ ہوا کرتے، جو صبح کے وقت چرنے کے لیے جاتے اور شام کو واپس آتے تھے۔ ان کو "السرح" کہا جاتا تھا۔ ان شہروں کے لوگ جانوروں سے دودھ، دہی اور گوشت وغیرہ حاصل کرتے تھے۔[۲۷]

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی لکھتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے مستقل معاشی ذرائع میں اہم ترین ذریعہ دودھاری جانوروں کا پالنا تھا۔ جن

---

[۲۳] ابنِ عبد البر، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد، **الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۲۰۰۲ء)، ۲:۶۳۵۔

[۲۴] تفصیل ملاحظہ ہو! ساجد علی، "**چھٹی صدی عیسوی کی ساجیات؛ احادیث کی روشنی میں**،" (مقالہ ایم فل: جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد، ۲۰۲۳ء)۔

[۲۵] محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری**، کتاب الاجارہ، باب رعی الغنم علی قراریط، رقم الحدیث: ۲۲۶۲۔

[۲۶] ایضا

[۲۷] عمری، عبد العزیز بن ابراھیم، **الحرف والصناعات فی الحجاز فی عصر الرسول ﷺ** (الریاض: دار اشبیلیا، ۲۰۰۰ء)، ۷۹۔

کو چرواہے مختلف چراگاہوں میں چرایا کرتے تھے۔ اور ان کی موجودگی میں دو وقت پیٹ بھرنے اور بھوک کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی سبیل نکلتی تھی۔[۲۸] علامہ شامی نے آنحضرت ﷺ کے تمام قسم کے جانوروں کی تفصیل "سبل الہدیٰ" جلد ہفتم میں جمع کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں آپ کے جانور "غابۃ" کی چراگاہ میں چرا کرتے تھے۔ ان میں بیس (۲۰) اونٹنیاں تھیں۔ جن کے دودھ پر اہل خانہ کا گزر بسر ہوتا تھا۔[۲۹] ابن سعد اس حوالے سے لکھتے ہیں رسالت مآب ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات میں اونٹنیاں تقسیم کر رکھی تھیں جن کو چرواہا "غابۃ" کی چراگاہ میں چرایا کرتا اور شام کو حجرات کے پاس لے آتا اور ان کا دودھ دوہا جاتا تھا۔[۳۰]

ان روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ گلہ بانی کا کام کس قدر عرب معاشرے میں اہمیت کا حامل تھا۔ جہاں ایک طرف ان کو براہ راست اس ذریعے سے ضروری خوراک میسر تھی تو دوسری طرف ان کی صنعتی زندگی بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ اسی پر منحصر تھی۔ یعنی گلہ بانی کے ذریعے بڑے پیمانے پر جانوروں کو پالنے کا کام ہوتا اور پھر ان کے چمڑے اور اون سے دباغت، خیاط اور نساج وغیرہ کی صنعتیں زندہ ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ بڑے پیمانے پر چمڑے کی تجارت ہوتی اور اس کی مصنوعات میں روزمرہ کی چیزیں بھی بنائی جاتی تھیں اس لیے گلہ بانی کو عرب کے تمام پیشوں کی ریڑھ کی ہڈی کہا جا سکتا ہے۔

مبحثِ پنجم: مزدوری

عرب معاشرے میں کئی افراد محنت مزدوری کر کے اپنا اور اپنے اہل خانہ کا پیٹ پالتے تھے۔ اس دور میں اجرت پر کام لینے کا عام رواج تھا۔ احادیث نبویہ ﷺ میں اس کے اشارات موجود ہیں جیسے کہ روایت میں آتا ہے رسالت مآب ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق نے ہجرت کے وقت بنو عبد بن عدی کے خاندان سے ایک شخص عبد اللہ بن ارقط (الاریقط) کو مزدوری پر بطور "رہبر" رکھا تھا۔ وہ اگرچہ مشرک تھا لیکن رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر کو اس پر بھروسہ تھا۔ جب آپ مکہ سے نکل کر غار میں پہنچے تو وہ اپنے عہد کے مطابق سواریاں لے کر تین دن بعد وہاں پہنچ گیا۔ اس کے بعد عامر بن فہیرہ اور یہ شخص بھی ساتھ ہو لیا اور آپ ﷺ ان حضرات کو ساحل کے کنارے سے لے کر مدینہ کی طرف چل دیا۔[۳۱]

---

[۲۸] صدیقی، ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر، **معاشِ نبوی ﷺ** (کراچی: کتب خانہ سیرت، ۲۰۱۵ء)، ۹۷۔

[۲۹] شامی، محمد بن یوسف الصالحی، **سبل الھدٰی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد ﷺ** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۹۳ء)، ۷:۴۰۷۔

[۳۰] ابنِ سعد، **الطبقات الکبریٰ**، ۲:۸۲۔

[۳۱] محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری**، کتاب الاجارۃ، باب استئجار المشرکین عند الضرورۃ، رقم الحدیث: ۲۲۶۳۔ / ابنِ حبیب، **کتاب المحبر**، ۱۹۰۔

عرب سماج میں "راہبری" کو ایک فن کی حیثیت حاصل تھی۔ بہت سے لوگ راستوں کی جان کاری میں خاص مہارت رکھتے تھے اور اجرت پر مسافروں کی راہنمائی کیا کرتے تھے۔ ابن حبیب "کتاب المحبر"[۳۲] عرب کے کئی ایسے افراد کے نام ذکر کرتے ہیں جو اس کام میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ ان کے علاوہ دیگر کئی طرح کے مزدور اور آجر بھی عرب معاشرے کا حصہ تھے جو چھوٹے چھوٹے پیشے اپنائے ہوئے تھے۔ ابو طیبہ سے متعلق روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ رسولِ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اس سے پچھنے لگوائے تو اجرت میں ایک صاع یا دو صاع اسے غلہ دینے کا حکم دیا۔ اور اس کے مالکوں سے سفارش کی کہ اس کے محصول میں کم کریں۔[۳۳] حضرت خباب بن الارت بیان کرتے ہیں میں جاہلیت میں لوہاری کا کام کرتا تھا۔[۳۴] ایک مرتبہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو فاقہ آگیا تو حضرت علیؓ ایک یہودی کے باغ میں مزدوری پر چلے گئے اور ایک ڈول پانی کے بدلے ایک کھجور طے کی۔ آپ نے سترہ (۱۷) ڈول پانی نکالا اور سترہ (۱۷) کھجوریں لے کر رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔[۳۵]

اس بحث سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ محنت و مزدوری کسی بھی دوسرے معاشرے کی طرح عرب معاشرے کا بھی ایک لازمی جزو تھا۔ عرب کے بڑے پیشوں جیسے صنعت و تجارت اور زراعت کے لئے افرادی قوت درکار ہوتی تھی جو عام طبقہ کے مزدور ہی پوری کیا کرتے اور یوں ان کی ضروریات کا سامان بھی ہو جاتا تھا۔

مبحثِ ششم: لوٹ مار اور غارت گری

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی بعثت سے پہلے عرب میں بہت سے افراد اور قبائل چوری، لوٹ مار اور غارت گری کو اپنا ذریعہ معاش بنائے ہوئے تھے۔ حدودِ حرم کے سوا کوئی علاقہ اس سے محفوظ نہیں تھا۔ قران مجید میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے جیسے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِـهِمْ ۚ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُـوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ"[٣٦]

---

[۳۲] ابنِ حبیب، **کتاب المحبر**، ۱۹۱-۱۸۹۔

[۳۳] محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری**، کتاب الاجارۃ، باب ضریبۃ العبد و تعاھد ضرائب الاماء، رقم الحدیث: ۲۲۷۷۔

[۳۴] محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری**، کتاب البیوع، باب ذکر القین والحداد، رقم الحدیث: ۲۰۹۱۔ / محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری**، کتاب الاجارۃ، باب ھل یؤجر الرجل نفسہ من مشرک، رقم الحدیث: ۲۲۷۵۔

[۳۵] ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی، **سنن ابن ماجہ**، کتاب الرھون، باب الرجل یستقی کل دلو بتمرہ ویشترط جلدۃ، رقم الحدیث: ۲۴۴۶۔

[۳۶] العنکبوت، ۲۹: ۶۷۔

(اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو جائے امان بنا دیا ہے اور اِن کے اِرد گرد کے لوگ اُچک لئے جاتے ہیں، تو کیا وہ باطل پر ایمان رکھتے اور اللہ کے احسان کی ناشکری کرتے رہیں گے۔)

اہل عرب میں سیدنا ابراہیمؑ کے زمانے سے چار مہینوں کی حرمت قائم تھی۔ اس معیوب پیشے کی بنا پر ان کے لیے مسلسل تین مہینے ذوالقعدۃ، ذوالحجۃ اور محرم میں حرمت کے سبب لوٹ مار اور چوری چکاری سے باز رہنا انتہائی مشکل ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے معاشی مفاد کی خاطر "النسیء"یعنی حرمت والے مہینوں میں تبدیلی کی رسم ایجاد کر لی تھی۔ بعض لوگ اس کام میں اہتمام کے ساتھ مہارت حاصل کیا کرتے تھے جیسے کہ "حارث بن ظالم المری" کے متعلق آتا ہے کہ وہ زمانہ جاہلیت کے شہرت یافتہ ڈاکو "ابو الخریف عبید بن نشبہ المری" کے پاس گیا اور کہا مجھے ڈاکہ زنی سکھایئے۔ اس پر ابو الخریف نے کہا جب جی میں آئے تو کر گزرو، حارث نے پھر دہرایا کہ مجھے ڈاکا زنی سکھایئے۔ ابو الخریف نے پھر وہی جواب دیا حتی کہ تیسری مرتبہ سوال پر ابو الخریف نے تلوار نکال لی اور حارث کی گردن پر رکھ دی اور کہا میرا دل چاہتا ہے کہ میں تجھے قتل کر دوں۔ اس پر حارث نے حیرت زدہ ہو کر کہا یہ کیا ماجرا ہے؟ تو ابو الخریف نے کہا یہی تو ڈاکہ زنی ہے۔[۳۷] اس کے بعد حارث ڈاکہ زنی میں پورے عرب میں ضرب المثل بن گیا۔ وہ نہ صرف لوٹ مار کرتا بلکہ قتل و غارت بھی کیا کرتا تھا حتی کہ اس نے حیرہ کے بادشاہ نعمان بن المنذر کے بیٹے کو قتل کیا اور اسود بن المنذر بادشاہ کی پناہ میں ایک شخص خالد بن جعفر بن کلاب کو بھی لوٹ مار کے بعد قتل کر دیا۔[۳۸] ابن حبیب ان افراد کی فہرست بیان کی ہے جو جاہلیت میں اور اسلامی عہد میں شب خون مارنے، لوٹ مار اور قتل و غارت گری میں اپنی شہرت رکھتے تھے۔[۳۹] قبائل میں بنو اسلم، بنو غفار اور بنو طے وغیرہ لوٹ مار کو بالخصوص اپنا شغل معاش بنائے ہوئے تھے اور حرمت والے مہینوں کو بھی حلال جانتے تھے۔[۴۰] امام بخاری ایک طویل روایت نقل کرتے ہیں جس سے قبل از اسلام عرب معاشرے میں بدامنی اور بعد از اسلام نبوی معاشرے میں امن و سلامتی کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت عدی بن حاتم بیان کرتے ہیں:

"میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک صاحب آئے اور آنحضرت ﷺ سے فقر و فاقہ کی شکایت کی، پھر دوسرے صاحب آئے اور راستوں کی بدامنی کی شکایت کی، اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: عدی! تم نے مقام حیرہ دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے دیکھا تو نہیں، البتہ اس کا نام میں نے

---

[۳۷] ابنِ حبیب، **کتاب المحبر**، ۱۹۲۔

[۳۸] ایضاً، ۱۹۳-۱۹۲۔

[۳۹] ایضاً، ۲۱۳-۱۹۲۔

[۴۰] مسلم بن حجاج بن مسلم القشیری، **صحیح مسلم**، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضائل ابی ذر، رقم الحدیث: ۶۳۵۹۔

> سنا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اگر تمہاری زندگی کچھ اور لمبی ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ہودج میں ایک عورت اکیلی حیرہ سے سفر کرے گی اور کعبہ کا طواف کرے گی اور اللہ کے سوا اسے کسی کا بھی خوف نہ ہو گا۔ میں نے اپنے دل میں کہا، پھر قبیلہ طے کے ان ڈاکوؤں کا کیا ہو گا جنہوں نے شہروں کو تباہ کر دیا، فساد کی آگ سلگا رکھی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اگر تم کچھ اور دنوں تک زندہ رہے تو کسریٰ کے خزانے کھولے جائیں گے۔"[۴۱]

عہدِ نبوی ﷺ میں بھی کئی افراد نے اس کام کو اپنا پیشہ بنا رکھا تھا۔ احادیث میں اس حوالے سے متعدد واقعات نقل ہوئے ہیں۔ چوری اور لوٹ مار عرب معاشرے میں کس حد تک سرایت کر چکی تھی اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ بارگاہ رسالت ﷺ میں جب مختلف قبائل کے وفود آتے تو آپ ﷺ ان سے فرماتے: مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ تم آئندہ چوری نہیں کرو گے، اولاد کو قتل نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے اور شراب نوشی نہیں کرو گے۔[۴۲]

ان روایات سے بات پایا ثبوت کو پہنچتی ہے کہ عرب سماج میں اس قبیح فعل کو انفرادی و اجتماعی سطح پر بہت سے افراد نے مستقل پیشہ بنایا ہوا تھا۔ چنانچہ ایسا بھی نہیں کہ تمام افراد اس پیشہ کو اچھا سمجھتے ہوں اس کے بر خلاف یہ فعل سماجی جرم کی حیثیت ہی رکھتا تھا اور اس کے کرنے والے کو برا خیال کیا جاتا تھا۔ عرب معاشرے میں چوری کی سزائیں بھی اس کی دلیل ہیں۔ اسلام نے ایک طرف جہاں اہل عرب کے سیرت و کردار کی اخلاقی تعمیر کی، وہاں دوسری طرف حد سے بڑے ہوئے لوگوں کے لیے حدود و تعزیرات کا باقاعدہ نظام قائم کیا تا کہ ایسے مفسد و مہلک اعمال کا سدِ باب ہو سکے۔

مبحثِ ہفتم: حروب

اسلام سے پہلے عربوں کی جنگیں بھی آمدنی کا ایک ذریعہ تھیں۔ ڈاکٹر جواد علی لکھتے ہیں جنگ میں غالب آنے والا فاتح دشمن کے مال، مویشی، عورتوں اور بچوں الغرض ہر چھوٹی بڑی چیز پر قابض ہو جاتا اور ان چیزوں کا مالک تصور کیا جاتا تھا۔[۴۳] عربی ادب میں ان جنگوں کو "ایام

---

[۴۱] محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری**، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، رقم الحدیث: ۳۵۹۵۔

[۴۲] محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری**، کتاب الایمان، باب__، رقم الحدیث: ۱۸۔ / ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی، **جامع الترمذی**، ابواب تفسیر القرآن عن رسول اللہ، باب من سورۃ بنی اسرائیل، رقم الحدیث: ۳۱۴۴۔

[۴۳] جواد علی، **المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام**، ۵: ۴۰۴-۴۰۳۔

العرب" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ کسی چھوٹی سی بات پر ایک دفعہ جنگ شروع ہو جاتی تو سالوں قبائل اس کی آگ میں جلتے تھے۔ اس حقیقت سے آشنائی کے لئے "جنگ بسوس" کی مثال واضح ہے یہ جنگ "قبیلہ بنی بکر" اور "قبیلہ بنی تغلب" کے درمیان ہوئی اور چالیس سال تک مسلسل دونوں قبائل حالت جنگ میں رہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بنی بکر کا ایک اونٹ جو کہ "بسوس" نامی خاتون کی ملکیت تھا بنی تغلب کی چراگاہ میں نکل گیا تو اسے بنی تغلب نے مار ڈالا جس پر اس جنگ کا آغاز ہوا جس سے دونوں قبائل تباہ ہو کر رہ گئے۔[44]

ابن ہشام لکھتے ہیں اہلِ عرب عمومی طور پر حرمت والے مہینوں کا احترام کرتے اور ان مہینوں میں لڑائی سے گریز کرتے تھے۔ البتہ اگر کسی مجبوری سے لڑنا پڑتا تو اسے "حرب فجار" یعنی گناہ کی لڑائی سمجھتے تھے آخری حربِ فجار عرب کے دو قبیلوں قریش اور قیس کے درمیان ہوئی۔[45] اہل عرب ان لڑائیوں کو شعروں، قصوں اور مجلسوں میں بیان کرتے تھے۔ حضرت جابر بن سمرہ کہتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں ہوتے اور بعض اوقات اشعار کہتے اور جاہلیت کی باتیں کر کے ہنستے، اس پر آپ ﷺ صرف مسکرا دیا کرتے تھے۔[46]

اگرچہ یہ جنگیں فاتح کے لئے اقتصادی لحاظ سے خوش کن ہوتی تھیں لیکن مجموعی طور پر ان سے معاشرے میں جو تباہی آتی، وہ منافع سے کہیں زیادہ خطرناک ہوتی تھی، اولا تو دونوں قبائل یا گروہوں کی معاشی حالت خطرے میں پڑ جاتی اور اس کی بہتری کے لئے سودی قرضوں تلے دب جاتے تھے۔ دوسرا مفتوح قبائل کے بچے کچے لوگ بقائے حیات کے لئے جرائم کی دنیا میں جانے اور لوٹ مار، قتل وغارت گری کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ نہ ہوتا تھا۔ جس سے پورے عرب کا ماحول خوف و حراس، بدامنی شکار ہو جاتا تھا۔ جنگی اثرات کا اندازہ اس بات سے لگایے کہ سرزمینِ مکہ پر ہونے والی آخری جنگ "جنگ فجار" سے ہر طرف وحشت وخوف اور مایوسی کا عالم چھا گیا تھا اس لئے کہ مکہ تمام عرب کے لئے ایک مرکز کی حیثیت رکھتا تھا اور بیت اللہ کے حرم ہونے کے سبب یہاں امن وسلامتی رہتی تھی، لیکن اس جنگ سے یہ محسوس ہونے لگا کہ اب مرکزِ عرب بھی محفوظ ومامون نہیں رہا۔ اس پر آشوب ماحول میں یہاں ایک اصلاحی تحریک کا آغاز ہوا۔ بنوہاشم، بنوزہرہ، بنواسد کے سرداروں کے علاوہ قریش کے بعض دوسرے سردار عبداللہ بن جدعان التیمی کے گھر میں اکٹھے ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت زبیر بن عبدالمطلب نے یہ تجویز پیش کی کہ موجودہ حالات کو سدھارنے کے لیے ایک مشترکہ معاہدہ کرنا چاہیے چنانچہ قریش کے سرداروں نے "تعاون وبقائے باہمی" کے اصول "جیو اور جینے دو" کی بنا پر ایک معاہدہ کیا اور حلف اٹھا کر یہ عہد کیا کہ ہم لوگ:

---

[44] ابنِ اثیر، **الکامل فی التاریخ**، ۱:۵۳۹-۵۲۳۔ / المولی بک، محمد احمد جاد وغیرہ، **ایام العرب فی الجاہلیۃ** (بیروت: داراحیاء التراث العربی، س ن)، ۱۶۸-۱۴۲۔

[45] ابنِ ہشام، **السیرۃ النبویۃ ﷺ**، ۱:۱۲۵-۱۲۳۔

[46] مسلم بن حجاج بن مسلم القشیری، **صحیح مسلم**، کتاب الفضائل، باب تبسمہ وعشرہ، رقم الحدیث: ۶۰۳۵۔ / امام احمد بن حنبل، **مسندِ احمد**، اول مسند البصریین، حدیث جابر بن سمرۃ السواقی، رقم الحدیث: ۲۱۰۱۰۔

۱) ملک سے بد امنی دور کریں گے۔

۲) مسافروں کی حفاظت کریں گے۔

۳) غریبوں کی امداد کریں گے۔

۴) مظلوم کی حمایت کریں گے۔

۵) کسی ظالم یا غاصب کو مکہ میں نہیں رہنے دیں گے۔

اس معاہدے کو تاریخ میں "حلف الفضول"[47] کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔خود پیغمبرِ انقلاب ﷺ اس معاہدے میں شریک تھے۔ بعثت کے بعد آپ ﷺ فرمایا کرتے کہ اگر اس معاہدے کے بدلے میں مجھے سرخ اونٹ بھی دیے جاتے تو میں قبول نہ کرتا، اور آج بھی اگر اس طرح کے معاہدے کی طرف بلایا جاؤں تو میں ضرور شریک ہوں گا ۔[48] یہ معاہدہ معاشرتی بد امنی اور جنگی حالات کے خاتمے سبب بنااور بالعموم خطہ عرب اور مکہ میں بالخصوص نقطہ انقلاب ثابت ہوا۔اس کے بعد عربوں میں کوئی بھی ایسی جنگ نہیں ہوئی جس سے معاشرہ تباہی کا شکار ہوا ہو اور پھر اسلام کے آغاز سے اس بد امنی اور جنگ وجدل کا راستہ ہمیشہ کے لیے مسدود ہو کر رہ گیا۔

مبحثِ ہشتم: سود

محمد الرسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل عرب معاشرے میں سودی لین دین کا عام رواج تھا۔ سرمایہ دار لوگوں نے اسے مستقل ذریعہ آمدن بنا رکھا تھا۔ بالخصوص یہودی اس کاروبار میں تمام عرب میں شہرت رکھتے تھے۔[49] حالانکہ سابقہ شرائع میں بھی اس کی حرمت بیان ہو چکی تھی۔ قران مجید میں اس حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

"وَاَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا"[50]

(اور ان کے سود لینے کے سبب سے، حالانکہ وہ اس سے روکے گئے تھے، اور ان کے لوگوں کا ناحق مال کھانے کی وجہ سے اور ہم نے ان میں سے کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔)

---

[47] ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ ﷺ**، ۱:۹۱-۹۰۔

[48] ایضا، ۱:۹۱۔

[49] جواد علی، **المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام**، ۷:۲۴۵۔

[50] النساء، ۴:۱۶۱۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب معاشرے میں اس کا عام رواج تھا۔ چونکہ عرب کے لوگ تجارت پیشہ تھے اس سلسلے میں انہیں قرضوں کی ضرورت آپڑتی تو معاشرے میں سرمایہ دار اور صاحب ثروت افراد سے وہ سود پر قرضے لیا کرتے تاکہ اپنی تجارت کا پہیہ چلا سکیں۔ اس قرض کے بدلے میں کبھی خود سرمایہ دار کی طرف سے اور کبھی مقروض کی طرف سے مدت قرض میں اضافے کی آفر ہوتی تو دوسرا فریق سود کے اضافے کے ساتھ اسے قبول کرلیتا تھا۔ علامہ سعیدی " وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَآ "[51] کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس سے مراد وہ تجارتی سود تھا جس کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں لوگ خرید و فروخت کیا کرتے تھے۔[52] بالخصوص طائف میں بنو ثقیف کا خاندان تجارتی قرضوں کا لین دین کیا کرتا تھا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ جاہلیت میں بنو مغیرہ جو کہ بنو مخزوم سے تھے، بنو ثقیف کے خاندان بنو عمرو کے ساتھ سود کا کاروبار کیا کرتے تھے۔ جب اسلام کا ظہور ہوا تو بنو مغیرہ کے ذمے ایک بڑی رقم واجب الادا تھی۔ ان کے قبول اسلام کے بعد جب ان سے رقم کی ادائیگی کا مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے کہا اسلام نے سود کو حرام قرار دے دیا ہے۔ اس پر مخالف فریق مقدمہ لے کر حضرت عتاب بن اسید جنہیں رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر وہاں کا والی و گورنر مقرر کیا تھا[53] کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت عتاب بن اسید نے یہ سارا معاملہ رسول اللہ ﷺ کو لکھ بھیجا اس پر آپ ﷺ نے انہیں جوابا لکھا کہ اگر یہ لوگ سود کے چھوڑنے پر رضامند ہوں تو ٹھیک ہوں ورنہ ان کے خلاف اعلان جنگ ہے۔[54] علامہ سیوطی بیان کرتے ہیں کہ سورۃ بقرۃ کی آیت ۲۷۹ بنو ثقیف کے چار بھائیوں مسعود، عبد یا لیل، حبیب اور ربیعہ سے متعلق نازل ہوئی جو کہ عمرو بن عمیر بن عوف ثقفی کے بیٹے تھے اور یہ چاروں بھائی سود پر تجارتی قرض کا کاروبار کرتے تھے۔[55]

سود کی یہ قسم (ربا النسیئۃ) صرف مالی قرضوں تک محدود نہ تھی بلکہ ادھار پر اشیاء کے لین دین میں بھی اس کا رواج تھا۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت عباس بن عبد المطلب اور حضرت عثمان بن عفان ان دونوں نے ایک شخص کے ساتھ کھجور پر بیع سلم کی تھی۔ جب فصل کی کٹائی کا موسم آیا تو کھجوروں کے مالک نے کہا اگر آپ دونوں نے اپنا حق لیا تو میرے پاس کچھ نہیں بچے گا لہٰذا تم نصف کھجوریں ابھی لے لو اور بقیہ نصف بعد میں، اور میں بقیہ نصف کے ساتھ اضافہ کر کے دوں گا۔ یہ بات نبی کریم ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے ان دونوں کو زائد لینے سے

---

[51] البقرۃ،۲:۲۷۸۔

[52] سعیدی، علامہ غلام رسول، **تبیان القرآن** (لاہور: فرید بک سٹار، ۲۰۱۲ء)، ۱:۹۸۲۔

[53] ابو عبد الرحمن احمد بن علی النسائی، **سنن النسائی**، کتاب الاذان، باب الاذان، رقم الحدیث: ۶۳۳۔

[54] سیوطی، امام جلال الدین عبد الرحمن بن ابو بکر، **تفسیر درِ منثور**، مترجم: ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف (لاہور: ضیاء القران پبلیکیشنز، ۲۰۱۰ء)، ۱:۹۴۳۔

[55] ایضا۔

منع کر دیا اور حکم فرمایا صرف اپنا مال ہی وصول کرو۔[56] ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت عباس بن عبد المطلب اور حضرت خالد بن ولید جاہلیت میں تجارتی ندیم تھے۔ یہ دونوں بنو ثقیف کے ساتھ سود پر کاروبار کرتے تھے۔ چنانچہ قبولِ اسلام کے بعد ان کی بہت سی رقم جو بنو ثقیف کے ذمے تھی انہیں واپس لینے سے روک دیا گیا اور صرف اپنا مال ہی وصول کرنے کی اجازت ملی۔[57] حجۃ الوداع کے موقع پر رسالتِ مآب ﷺ نے جاہلیت کے تمام قسم کے سود ختم فرما دیئے۔ احادیث میں آتا ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"سنو! جاہلیت کی ہر چیز میرے قدموں کے نیچے روند دی گئی ہے اور جاہلیت کے تمام خون پامال ہوئے سب سے پہلے میں اپنے خون میں سے معاف کرتا ہوں اور وہ ربیعہ بن حارث کا خون ہے پھر فرمایا: جاہلیت کے تمام سود ختم ہوئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کے سود کو چھوڑنے کا اعلان کرتا ہوں اور وہ عباس بن عبد المطلب کا سود ہے۔"[58]

اس طرح بعض ایسی صورتیں جو سود کی طرف لے جانے والی ہیں اور ان سے سودی کاروبار کا دروازہ کھلتا ہے اسلام نے ان سے بھی منع فرمایا ہے حدیث نبوی ﷺ ہے فرمایا:

"إذا قرض احدكم قرضا فأهدي له،او حمله علي الدابة،فلا يركبها ولا يقبلها الا أن يكون جري بينه و بينه قبل ذلك"[59]

(یعنی تم میں سے کوئی شخص جب قرض دے پھر مقروض اسے تحفہ دے یا سواری کے لیے جانور پیش کرے تو قرض خواہ کو چاہیے کہ وہ اس پر سوار نہ ہو اور نہ ہی ہدیہ قبول کرے سوائے اس کے کہ ان دونوں میں پہلے سے تحائف کا سلسلہ جاری ہو۔)

اس تفصیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایسا کاروبار عرب معاشرے کا حصہ تھا۔ اسی طرح کثرتِ روایات سے یہ بات بھی ثبوت کو پہنچتی ہے کہ عربوں کے ہاں سود ایک مستقل ذریعہ معاش تھا اور معاشرے کے کثیر افراد اس پر عمل پیرا تھے۔ اسلام نے ان تمام استحصالی صورتوں کا خاتمہ فرما کر طیب و حلال رزق کمانے کی تلقین فرمائی تاکہ دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی حاصل ہو۔

---

[56] بغدادی، علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم صوفی، **تفسیر الخازن** (لاہور: فرید بک سٹال، ۲۰۰۶ء)، ۱:۶۹۶۔

[57] ایضا۔

[58] مسلم بن حجاج بن مسلم القشیری، **صحیح مسلم**، کتاب الحج، باب حجۃ الوداع، رقم الحدیث: ۲۹۵۰۔ / ابو داؤد سلیمان بن اشعث، **سنن ابی داؤد**، کتاب المناسک، باب حجۃ الوداع، رقم الحدیث: ۱۹۰۵۔ / ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی، **جامع الترمذی**، ابواب تفسیر القرآن عن رسول اللہ، باب من سورۃ التوبۃ، رقم الحدیث: ۳۰۸۷۔

[59] ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی، **سنن ابن ماجہ**، کتاب الصدقات، باب القرض، رقم الحدیث: ۲۴۳۲۔

خلاصہ:

اس بحث سے واضح ہوتا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی کا عرب معاشرہ اقتصادی طور پر دوسری اقوام سے کسی طور بھی پیچھے نہیں تھا ۔وہاں تمدنی زندگی کے تمام آثار موجود تھے۔ انہوں نے ضروریات زندگی کے پیش نظر کئی معاشی ذرائع اپنا رکھے تھے۔ اگرچہ بعض ذرائع جیسے سود اور غارت گری ولوٹ مار انسانی معاشرے و تہذیب کے لیے ایک خطرہ تھے لیکن ان ذرائع کا تعلق ہر گز بھی تمام عرب سے نہ تھا بلکہ یہ صورتِحال بعض بدوی قبائل میں پیش آتی تھی۔ جب ان پر بھوک اور افلاس کے بادل چھا جاتے، تو وہ کسی جائز و ناجائز کی فکر کیے بغیر اپنے وجود کی بقا کے لیے ایسے اقدامات کرتے تھے۔ وگرنہ عرب کے اکثر و بیشتر افراد تجارت و زراعت ہی سے وابستہ تھے جبکہ باقی مانندہ صنعت و حرفت اور دوسرے پیشوں کو اپنائے ہوئے تھے۔ یہ معاشرہ خود کفیل نہ سہی مگر ایک خوددار اور آزاد معاشرہ تھا جہاں کے باشندے دوسروں سے اپنی زندگی کی بھیک مانگنے کی بجائے اپنی ذات اور صلاحیتوں پر زیادہ اعتبار کرتے تھے۔ یہ سخت جان لوگ ایک طرف تجارت کی غرض سے دور دراز ملکوں کے کٹھن سفر کیا کرتے، تو دوسری طرف سخت مشقت اور محنت سے زمین کا سینہ چیر کر اس میں پھل اور غلہ اگاتے، تاکہ زندگی کی بنیادی ضروریات کی تکمیل ہو سکے۔ اسی طرح بعض افراد اپنے تاجر و کسان پیشہ بھائیوں کی مدد کے لیے مزدور بن کر ان کا ساتھ دیتے اور بعض افراد ان ذرائع سے حاصل شدہ اشیاء اور دوسری چیزوں کو کام میں لا کر مختلف قسم کی مصنوعات تیار کرتے جو ان کی روزمرہ زندگی میں کام آتی تھیں۔ اسی معاشرے میں حداد بھی تھے اور نجار بھی، طبیب بھی تھے اور حجام بھی الغرض ایک متمدن معاشرے کی ضرورت کا ہر پیشہ وہاں موجود تھا۔ یوں سرزمین عرب میں تعاون باہمی پر مبنی ایک متمدن معاشرہ انسانی زندگی کو وجود بخشے ہوئے تھا۔ البتہ اس معاشرے کے سرمایہ دارانہ نظام میں فطرتِ سلیمہ سے عاری افراد کی وجہ سے جو خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں اسلام نے ان کی درستگی کا انتظام کیا اور انہیں عدل و انصاف اور احسان پر مبنی تعلیمات سے آگاہ کیا۔ جن پر عمل پیرا ہو کر وہ تاریخِ عالم میں عروج و ترقی سے ہمکنار ہوئے۔